ان کا عام مرض تھا۔ مختلف طریقوں سے انھوں نے عوام کو اپنے چکروں میں پھانس رکھا تھا اور ان کی نجات کا ٹھیکہ دار بن بیٹھے تھے[1]۔

یہودی عوام میں سے دین و شریعت کا علم اٹھ چکا تھا۔ اس کی جگہ بے بنیاد آرزوؤں اور باطل تصورات نے لے لی تھی، علماء اور احبار کی عزت، آؤ بھگت اور خدمت ان کا ایمان تھا۔ ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام سمجھنا، اور ان کی خود ساختہ شریعت کو شریعت سمجھنا ان کا دین تھا[2]۔ ان میں جادو، کہانت، فال گیری، ٹونے اور ٹوٹکے، شگون اور مہورت کا بڑا زور تھا[3]۔

اخلاق کے بارے میں یہودیوں نے دو طرح کے پیمانے بنا رکھے تھے، ایک اپنے ہم مذہبوں کے لیے اور دوسرا غیروں کے لیے ان کا خیال تھا کہ امانت اور دیانت کا لحاظ صرف یہودیوں سے معاملہ کرنے میں کرنا چاہیئے۔ غیر یہودی کا مال اگر مار لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں[4]۔ یہ خیال عوام ہی کا نہ تھا۔ یہودیت کا پورا مذہبی نظام ہی ایسا بنا دیا گیا تھا کہ وہ اخلاقی احکام میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان قدم قدم پر تفریق کرتا تھا۔ بائبل میں حکم ہے کہ جو قرض ایک شخص نے دوسرے کو دیا ہو وہ سات سال گذر جانے پر ضرور معاف کر دیا جائے مگر پردیسی سے اس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے[5]۔ سود کے بارے میں ہے: "تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے، باپ بھائی کو سود پر قرض نہ دینا"[6]۔

جس قوم کے دین و اخلاق کا یہ عالم ہو کیا تعجب ہے کہ وہ جاہلی اخلاق کو متاثر کرنے کے بجائے خود اس کے رنگ میں رنگ جائے۔ ان کا مورخ لکھتا ہے کہ "یہودیوں کی پوری تاریخ میں مجھے عرب کے یہودیوں کے سوا کوئی اور گروہ ایسا نہیں ملا جو اپنے ماحول سے اس قدر متاثر ہوا ہو کہ اہل وطن کے عادات و اطوار، اخلاق و آداب میں پورا پورا رنگ جائے[7]" دوسرا مورخ لکھتا ہے کہ ان میں

---

[1] سورہ بقرہ: ۶۵، ۹۶ سورہ توبہ: ۳۴ [2] سورۃ النساء: ۵۱ [3] سورۃ الاعراف: ۷۵
[4] استثناء ۱۵: ۳ [5] استثناء ۲۳: ۲۰ [6] تاریخ الیہود فی بلاد العرب، ولفنسون ۲۲
[7] ملاحظہ ہو الحوفی۔ المرأۃ فی الشعر الجاہلی: ۲۷۔ ۲۸۔

اور عام عربوں میں جو اختلاف تھا وہ فقط زندگی کے ظاہری اور سطحی امور میں تھا[1] یہی وجہ تھی کہ "دمشق اور حلب کے یہودی عرب کے یہودیوں کو یہودی کہنے کے لیے آمادہ نہ تھے کیونکہ وہ نہ اپنے آبائی دین پر قائم تھے اور نہ تلمود کے قوانین کے پابند تھے"[2]

عرب کے عیسائیوں کی دینی حالت یہودیوں کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر تھی۔ ان میں دینداری کی اصل روح موجود تھی۔ انھیں اپنے عقائد پر کامل ایمان اور آخرت پر پورا یقین تھا۔ وہ یہودیوں کی طرح دنیا کے حریص نہ تھے ان کے دل میں گداز، اخلاق میں تواضع اور خاکساری تھی نجران اور دوسرے علاقوں میں ان کا پورا دینی نظام قائم تھا۔ ان کے علماء تبلیغ سے غافل نہ تھے[3] ان کی کوششوں سے متاثر ہو کر بہت سے افراد اور خاندان عیسائی بن گئے تھے۔ بہتوں میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی کامیابی، اور خدا کی رضا جوئی کا تصور ابھر آیا تھا۔ عرب کے مختلف شعراء نے عیسائی تبلیغ کے زیر اثر توحید، آخرت، جزا اور سزا وغیرہ مضامین بیان کرنا شروع کر دیا تھا۔ عیسائی راہبوں کی خانقاہیں اور صومعے عرب میں بھی موجود تھے۔ حنظلہ طائی نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد اپنی قوم سے الگ ہو کر کسی قریب کی جگہ میں خانقاہ بنالی تھی اور راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی قیس بن ساعدہ نے صحرا اور جنگلوں کی سکونت پسند کی تھی۔ اور اپنی غذا بے حد کم کر لی تھی[4] حیرہ کے بادشاہ بندر نے ۵۱۲ء میں عیسائیت قبول کی، اس کی ماں ہندہ اسی کے ساتھ عیسائی ہو گئی، اور اپنے لیے ایک صومعہ تعمیر کر کے اسی میں راہبہ کی طرح رہنے لگی تھی[5]

مگر عام عیسائی عربوں کے اخلاقی تصورات دوسرے عربوں سے بہت مختلف نہ تھے۔ دو باتوں میں کسی قدر فرق تھا۔ ایک اعمال کے محرکات و مقاصد میں اور دوسرے فضائل و محاسن کی وسعت میں۔ عیسائیوں میں عام عربی محرکات کے علاوہ جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے، خدا کی خوشنودی کا جذبہ

---

[1] الیہود فی تاریخ الحضارة، لودفیج ۳۰۶ ملاحظہ ہو، المرءة فی الشعر الجاہلی: ۲۷-۲۸ [2] تاریخ الیہود فی بلاد العرب: ۱۳ ملاحظہ ہو المرءة فی الشعر الجاہلی، ۲۷-۲۸ [3] المرءة فی الشعر الجاہلی: ۴۰-
[4] المرءة فی الشعر الجاہلی: ۴۰ [5] المرءة فی الشعر الجاہلی: ۴۰
[6] JOHN STEWART, NESTORIAN MISSIONARY ENTERPRISE PP. 51-52

بھی نمایاں تھا۔ اور فضائل کے مفہوم میں اخلاقی رجحان کے ساتھ ساتھ دینی رجحان بھی موجود تھا۔ خدا کی محبت اور اس کا تقویٰ ان کے اخلاق کا جزء تھا۔

عرب میں مجوس خاصی تعداد میں تھے۔ نجران، یمن، ہجر، بحرین، قطیف اور تمیم کے قبیلوں میں مجوسی عقائد رکھنے والے افراد موجود تھے۔ ان کے اور عام عربوں کے درمیان مناکحت کا سلسلہ جاری تھا۔ انہیں کا اثر تھا کہ عرب آگ کے سامنے کھڑے ہو کر معاہدے پختہ کرتے۔ اور اس کا واسطہ دے کر بارش کی دعا کرتے تھے[۱]۔ بنو تمیم میں مجوسی اثرات زیادہ نمایاں تھے۔ ان کے ہاں سورج کی پوجا ہوتی تھی[۲]۔ کندہ کے بادشاہ حارث بن عمرو اور ابن حجر نے مزدکیت اختیار کر لی تھیں[۳]۔ مزدکیت میں سگی بہن اور بیٹی سے شادی جائز تھی۔ حاجب بن زرارہ نے جب مزدکیت قبول کی تو اپنی لڑکی سے نکاح کیا۔ مگر بعد میں بہت نادم ہوا[۴]۔

۷۔ مقاصد اور محرکات | عربوں کی اخلاقی زندگی میں مختلف محرکات کی کارفرمائی تھی۔ ایک بہت اہم محرک ذکر و تحسین اور نام و نمود کا جذبہ تھا۔ جود و سخاوت، ایثار و احسان، صلہ رحمی، دلیری و شجاعت عربوں کے لیے سرمایہ افتخار تھے۔ یہ فضائل انہیں اس لیے محبوب تھے کہ ان کے ذریعہ انھیں نیک نامی کی توقع تھی۔ انہیں امید تھی کہ ان محاسن کی انہیں داد ملے گی شعراء ان کی مدح کریں گے، خطباء ان کی تعریفیں بیان کریں گے، ان کا نام ہر خاص و عام کی زبان پر ہوگا، زندگی ہی میں نہیں مرنے کے بعد بھی ان کی تعریف میں قصیدے پڑھے جائیں گے۔ مرثیوں میں ان کے کارناموں کا ذکر کیا جائے گا، اس طرح وہ مر کر بھی زندہ جاوید رہیں گے۔

حاتم طائی اپنی بیوی ماویہ کو اپنی داد و دہش کی حکمت اس طرح سمجھاتا ہے،

اماوی ان المال غاد و رائح ویبقی من المال الاحادیث والذکر

(اے ماویہ دولت آتی اور جاتی ہے۔ مگر دولت سے کمائی ہوئی نیک نامی باقی رہتی ہے)

۱۔ بلوغ الارب ۲: ۶۲، ۱۶۴، المرأة فی الشعر الجاہلی: ۵۲ ۲۔ المرأة فی الشعر الجاہلی: ۵۳
۳۔ المرأة فی الشعر الجاہلی: ۵۵ ۴۔ کتاب العرب لابن قتیبہ: ۲۹۱، بلوغ الارب: ۲۳۵

اماوی ان المال مالٌ بذلتہ　　فاولہ شکر و آخرہ ذکرٌ[1]

[اے ماویہ درحقیقت میرا اصل مال تو وہ ہے جو لوگوں کو دے دیتا ہوں، کیونکہ اس مال کا پہلا نتیجہ احسان مندی ہے اور پھر دوسرا نیک نامی]

اس کی بیوی ملامت کرتی ہے کہ تم نے سارا مال لُٹا دیا، تمام اثاثہ خرچ کر ڈالا، ہم لوگوں کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا اس کے جواب میں حاتم کہتا ہے،

وعاذلۃ ھبّت بلیل تلومنی　　کانی اذا اعطیت مالی اضیمھا

[ملامت کرنے والی رات کو اٹھ کر مجھے ملامت کرتی ہے، جیسے کہ میں جب لوگوں کو دیتا ہوں تو اس پر ظلم کرتا ہوں]

اعاذل ان الجود لیس بمھلکی　　ولا مخلد النفس الشحیحۃ لومھا

[اے ملامت کرنے والی! نہ فیاضی سے میں ہلاک ہوں گا اور نہ بخیلی سے کوئی بخیل انسان ہمیشہ رہ سکے گا]

وتذکر اخلاق الفتی وعظامہ　　مغیبۃ فی اللحد بال رمیمھا

[جب انسان قبر میں آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے، اور اس کی ہڈیاں سڑ گل جاتی ہیں، اس وقت اس کے اخلاق اور اس کے کارنامے یاد کیے جاتے ہیں۔][2]

ابن ماجہ نے "تدبیر المتوحد" میں عربوں کی ذکر و تحسین کی خواہش کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی خواہش کو انکے اخلاق اعمال کی اصل غایت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اور ثبوت میں حاتم کا وہ شعر نقل کیا ہے جسے ہم نے سب سے پہلے نوٹ کیا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ عرب ذکر اور نیک نامی کو بقائے دوام سمجھتے تھے اور یہ مصرعہ نقل کیا ہے ؎ ذکر الفتی عمرہٗ الثانی (موت کے بعد) انسان کا ذکر اس کی دوسری زندگی ہے۔ مزید لکھا ہے کہ اسی بات کے پیش نظر ہرم بن سنان کی بیٹی نے زہیر کی بیٹی سے کہا تھا: اعطینا کم ما یبلی یا عطیتمونا ما یبقی، ہم نے تمھیں جو کچھ دیا ہے (یعنی مال) وہ ختم ہو جائے گا مگر تم نے ہمیں جو کچھ دیا ہے (یعنی ذکر و نیک نامی) وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے[3]۔

---

[1] بلوغ الارب ۱: ۷۸ - [2] حماسہ ابو تمام ۲: ۲۱۱ - ۲۱۲۔ [3] ابن ماجہ: - تدبیر المتوحد تحقیق آسن پلیسوس، غرناطہ، ۱۹۴۶ صفحہ ۴۲۔

عربی اخلاق کا دوسرا محرک بے عزتی اور بد نامی کا خوف تھا۔ عربوں کو نیک نامی عزیز تھی لیکن بدنامی کا خوف نیک نامی کی محبت سے زیادہ قوی تھا۔ ان کی زندگی اور اخلاق میں جو اہمیت عرض کے تحفظ اور ذلت و رسوائی کے خوف کو حاصل تھی وہ کسی اور جذبہ کو حاصل نہ تھی۔ عرب اپنی عزت، اپنی عورتوں کی عزت، اپنے خاندان کی بزرگی، آباؤ اجداد کی بڑائی، قبیلہ کی برتری کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر سمجھتے تھے وہ بے شمار مال خرچ کر سکتے تھے۔ ہزاروں جانیں قربان کر سکتے تھے ہر طرح کی مصیبت مول لے سکتے تھے، ہر قسم کی تکلیف انگیز کر سکتے تھے مگر اپنی عزت پر آنچ آنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ عربوں کی شاعری اور ان کا ادب اس تصور سے بھرا ہوا ہے۔ چند اشعار تذکرۃ درج ہیں۔

حاتم ہی کہتا ہے :-

وقد کنت اختار القری طاوی الحشا محافظۃ من ان یقال لئیم[1]

(میں لوگوں کی ضیافت، خود کو بھوکا رکھ کر کیا کرتا تھا۔ تاکہ بخیل اور دنی کہلائے جانے سے بچ سکوں)

اور اذا ما صنعت الزاد فالتمسی لہ اکیلاً فانی لست آکلہ وحدی

(بیوی، جب کھانا تیار کرو تو مہمان تلاش کرو کیونکہ میں اکیلا کھانے والا نہیں ہوں)

اخا طارقا او جار بیت فاننی اخاف مذمات الاحادیث من بعدی[2]

(رات میں آنے والا کوئی اجنبی بھائی ہو، یا پڑوسی ہو۔ کیونکہ مجھے اپنے بعد بدنامیوں کا اندیشہ ہے)

عمرو بن الاہتم کا شعر ہے :-

وکل کریم یتقی الذم بالقری وللحق بین الصالحین طریق[3]

(ہر شریف آدمی ضیافت کر کے بدنامی سے بچنا چاہتا ہے نیک لوگ نیکی کی مختلف صورتیں پیدا کر لیتے ہیں)

مشہور یہودی شاعر سموال بن عادیا بدنامی کے خوف اور نیک نامی کی طلب دونوں محرکات کا ذکر کرتا ہے :-

---

[1] بلوغ الارب ۱: ۷۲۔ [2] حماسہ ابو تمام ۲: ۲۹۲۔ [3] حماسہ ابو تمام ۲: ۲۰۲۔

اذا المرء لم یدنس من اللؤم عرضہ — فکل رداء یرتدیہ جمیل

(انسان جب تک بخالت سے اپنی عزت کو محفوظ رکھتا ہے، تو اس کا ہر کام اور اس کا ہر طریقہ پسندیدہ ہے)

وان ھو لم یحمل علی النفس ضیمھا — فلیس الی حسن الثناء سبیل[1]

(اگر وہ اپنے نفس پر سختی نہیں کرتا۔ تو نیک نامی کے حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں)

ایک اور شاعر حسب کی صیانت کا ذکر کرتا ہے،

نذا فع عن احسابنا بلحومھا — والبانھا ان الکریم یدا فع[2]

(ہم خاندانی عزت اونٹوں کا گوشت کھلاکر اور دودھ پلاکر بچاتے ہیں، شریف آدمی عزت بچاتا ہی ہے)

نیک نامی کی امید اور بدنامی کا خوف ان دونوں محرکات کو تقویت بخشنے کے لیے عربی معاشرہ نے مختلف ذرائع اختیار کئے تھے۔ شاعری سب سے زیادہ موثر ذریعہ تھی۔ بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ جو افراد اخلاق میں ممتاز ہوتے وہ اچھے شاعر بھی ہوتے۔ مثلاً حاتم طائی اور سموال بن عادیا۔ یہ افراد اپنے محاسن اور کارنامے اپنے اشعار میں بیان کرتے اور ان کا پورا خاندان، کنبہ اور قبیلہ ان اشعار کی نشر و اشاعت کیا کرتا تھا۔

جو اصحاب فضیلت شاعر نہیں تھے۔ ان کی تعریف و تحسین کرنا قبیلہ کے دوسرے شعراء کا فرض تھا۔ عرب اعتراف محاسن، احسان شناسی اور ادائیگی شکر میں بخیل نہیں ہوتا تھا۔ شعراء غیر قبیلہ کے محسنین کی مدح و ثنا کرنا واجب سمجھتے تھے اسی لیے اصحاب غیر شعراء کے ساتھ بالخصوص حسن سلوک میں مبالغہ کیا کرتے تھے۔

شاعری نیک نامی کی اشاعت و تخلید کے ساتھ بدنامی اور ذلت کے اعلان و تشہیر کا ذریعہ بھی تھی ہجو کے اشعار مدحیہ اشعار کے مقابلہ میں بالعموم زیادہ سرعت کے ساتھ پھیل جاتے ہیں، اس لیے عرب شاعر کی ہجو سے بہت ڈرتا تھا۔

شاعری کے بعد نیک نامی کی امید اور بدنامی کے خوف کے محرکات کا قوی اور موثر بنانے کا دوسرا

---

[1] حماسہ ابو تمام ۱: ۳۶ [2] حماسہ ابو تمام ۲: ۳۰۳

ذریعہ مفاخرت اور مفاخرہ کی وہ مجلسیں تھیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ان مجالس میں سب سے زیادہ اہم عکاظ اور دوسرے بڑے بڑے بازاروں اور میلوں میں منعقد ہونے والی شاعری اور خطابت کی بین القبائلی مجلسیں تھیں۔ جو عبدالقیس کا ایک فرد ابن تیہ زبرقان بن بدر کی پناہ میں تھا۔ بنو عوف بن کعب کے ایک آدمی نے اس کو قتل کر دیا۔ زبرقان نے اپنے جار کے انتقام میں تاخیر کی اور طرح طرح کے حیلے حوالے کرنے لگا۔ مقتول کی بیوی زبرقان اور اس کے قبیلہ کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ تمہیں عکاظ کی مجالس کا ڈر نہیں ہے جب تم دن میں جاؤ گے اور لوگوں سے ملو گے تو تمہاری زبانیں گنگ ہو جائیں گی اور تمہاری گردنیں شرم سے جھک جائیں گی کہ تم نے اپنے جار کا انتقام نہیں لیا۔ تم یہ جرم چھپانا چاہو گے لیکن تم اس کوشش میں ایسے ہی ناکام رہو گے جس طرح کہ ایک بغیر چادر کی عورت اپنے بالوں کی سفیدی چھپانے میں ناکام رہتی ہے۔[1]

مذمت اور تذلیل کے دوسرے طریقے بھی عربوں میں رائج تھے۔ بدعہد، غدار اور فاجر اشخاص کی تذلیل کا ایک طریقہ یہ تھا کہ بڑے بڑے اجتماعات میں ان کے نام کا جھنڈا گاڑ دیا جاتا تھا۔ چوراہوں پر ان کا پتلا بنا کر کھڑا کیا جاتا تھا۔ اور منادی پکارتا تھا: لوگو! سن لو فلاں شخص ظالم اور غدار ہے۔ اس پر لعنت بھیجو اور اس سے خبردار رہو۔ اس شعر میں بھی یہی طریقہ بیان کیا گیا ہے:-

فلنقتلن بخالد سرواتکم ولتجعلن لظالم تمثالا[2]

اسی طرح حج کے دنوں میں منیٰ میں آگ روشن کی جاتی تھی اور لوگ اس آگ کے گرد جمع ہو کر بیک آواز پکار کر کہتے تھے، فلاں شخص غدار ہے، اس سے ہوشیار رہو۔ اس آگ کو نارالغدر کہتے تھے۔[3] مذمت کی انتہائی شکل غالباً یہ تھی کہ خاندان کا بزرگ اپنے فاسق و فاجر، ظالم و غدار عزیز کے بارے میں حج کے عام اجتماع میں اعلان کرتا تھا کہ میں فلاں سے برءت کا اعلان کرتا ہوں، اگر وہ ظلم کرے تو

---

[1] حماسہ ابو تمام ۲: ۲۱۸۔

متی تردوا عکاظ توافقوها باسماع مجادعها قصار
اجیران ابن میة خبرونی اعینی لابن میة ام ضمار
تجلل خزیها عوف بن کعب فلیس لخلفها منها اعتذار
فانکم وما تخفون منها کذات الشیب لیس لها خمار

[2] بلوغ الارب ۳: ۲۸ [3] بلوغ الارب ۲: ۱۶۲۔

میں اس کا ضامن نہیں ہوں، اور اگر کوئی اس پر ظلم کرے گا تو میں اس سے انتقام نہیں لوں گا جس شخص کے بارے میں یہ اعلان کیا جاتا تھا اس کو خلیع کہتے تھے[1]

بھلائی کرنے اور برائی سے بچنے کا تیسرا محرک بھلے اور نیک کام سے طبعی محبت اور برے اور گھٹیا کاموں سے قلبی نفرت کا جذبہ تھا۔ عربوں میں بہت سے نیک افراد ایسے تھے جن کی طبیعت میں نیکی رچ بس گئی تھی۔ اور تقاضائے طبیعت کے طور پر صادر ہوتی تھی۔ اس محرک کی طرف طرفہ نے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:

والاثم داء لیس یرجی برؤه　　والبر برء لیس فیه معطب

[گناہ ایسا مرض ہے جس سے چھٹکارا مشکل ہے نیکی ایسی شفا ہے جس کے ساتھ نقصان و ہلاکت کا کوئی امکان نہیں]

والصدق یالفه اللبیب المرتجی　　والکذب یالفه الدنی الاخیب[2]

[حق گوئی کو عقلمند پسند کرتا ہے جسے بھلائی کی توقع ہوتی ہے اور جھوٹ کمینہ آدمی کو پسند آتا ہے جو گھاٹا ہی اٹھاتا ہے]

حاتم نے یہی محرک بیان کیا ہے:-

وقائلة اهلکت بالجود مالنا　　ونفسك حتی ضر نفسك جودها

[کہنے والی کہتی ہے کہ تم نے اپنا مال بھی برباد کیا اور اپنے کو بھی تباہ کر لیا فیاضی نے تمہیں نقصان ہی پہنچایا]

فقلت دعینی انما تلك عادتی　　ولکل کریم عادة یستعیدها[3]

[میں جواب دیتا ہوں اپنی نصیحت اپنے پاس رکھو۔ سخاوت تو میری عادت ہے۔ اور ہر شریف آدمی کی ایک عادت ہوتی ہے جسے وہ کرتا رہتا ہے]

عرب خدا کی رضا جوئی، محبت، اور اس کی نافرمانی کے خوف کے تصورات سے ناآشنا نہ تھے۔ نابغہ ذبیانی کے اشعار میں ہے۔

تعصی الاله وانت تظهر حبه　　هذا لعمرك فی المقال بدیع

[خدا کی نافرمانی کرتے ہو اور اس کی محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو قسم ہے! یہ تو عجیب بات ہے]

لو کنت تصدق حبه لاطعته　　ان المحب لمن یحب مطیع[4]

[اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی فرمانبرداری کرتے۔ کیونکہ آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے]

---

[1] بلوغ الارب ۳: ۲۷-۲۸　[2] العقد الثمین، لندن، ۱۸۷۰، صفحہ ۵۷　[3] الفتوۃ عند العرب ۲۵۱

[4] دیوان النابغہ، بیروت، ۱۹۲۹، صفحہ ۱۳۴-۱۳۵۔

لبید نے کہا ہے

واکذب النفس اذا حدثتہا ان صدق النفس یزری بالامل

[جب نفس کسی چیز کی خواہش کرے تو اس کو پورا نہ کر، نفس کے ساتھ راست روی اس کی توقعات کو نظر انداز کرنا]

غیر ان لاتکذبنہا فی التقی واخزہا بالبر للہ الاجل[1]

[مگر نیک خواہشوں میں اس کو مت جھٹلا۔ خدائے بلند و برتر کے لیے نیکی کرکے اس کو رسوا کر]

عبد قیس بن خفاف کا شعر ہے :۔

اللہ فاتقہ واوف بنذرہ واذا حلفت مماریا فتحلل

[اللہ سے ڈرو اور اس کی نذر پوری کرو اگر نزاع کے باعث کوئی قسم کھائی ہو تو کفارہ ادا کرکے اس سے باز رہو]

ذوالاصبع العدوانی نے کہا ہے :۔

لولا اواصر قربی لست تحفظہا ورہبۃ اللہ فیمن لا یعادینی

[اگر قرابت کے تعلقات نہ ہوتے اور خدا کا ڈر نہ ہوتا، تو میں بھی ان لوگوں کے معاملہ میں جو میرے حق کا خیال

نہیں کرتے کسی بات کا لحاظ نہ کرتا۔]

عرب آخرت کی کامیابی سے واقف تھے اور نیکی و تقوی کو بہترین زادراہ سمجھتے تھے لبید کا شعر ہے :۔

ان تقوی ربنا خیر نفل وباذن اللہ ریثی وعجل

[خدا کا تقوی ہی بہترین نیکی ہے میری عجلت اور میری سستی اسی کے اذن سے ہے]

اعشی کے اشعار ہیں :۔

اذا انت لم ترحل بزاد من التقی ولاقیت بعد الموت من قد تزودا

[اگر تو نے اس دنیا سے تقوی کا توشہ نہیں لیا، تو جب موت کے بعد تیری ملاقات اس سے ہوگی

جس نے زادراہ لیا تھا]

---

[1] دیوان لبید، لائیڈن، ۱۸۹۱ صفحہ ۱۲ [2] المفضلیات تحقیق احمد محمد شاکر و عبد السلام ہارون، مصر ۱۳۶۱ھ ۲/ ۱۸۴ [3] المفضلیات تحقیق احمد محمد شاکر و عبد السلام ہارون، مصر ۱۳۶۱ھ ۱/ ۱۴۰ [4] دیوان لبید لائیڈن

ندامة علی ان لا تکون کمثلہ ، وانک لم ترصد لما کان ارصدا[1]

[تو اس وقت تجھے ندامت ہوگی کہ تو بھی اس جیسا کیوں نہ ہوا۔ اور اُس دن کے لیے وہ تیاری کیوں نہ کی جو اس نے کی]

اعشی باہلہ نے کہا ہے :۔

علیک بتقوی اللہ فی کل امرۃ ، تجد غبّہا یوم الحساب المطوّل

(ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں خدا کا تقویٰ اختیار کرو ورنہ حساب کے طویل دن میں اس کا بوجھ محسوس کروگے)

الا ان تقوی اللہ خیر مغبۃ ، وافضل زاد الظاعن المتحمل

(سنو! خدا سے تقویٰ کا انجام ہی بہتر ہوتا ہے۔ اور تقویٰ ہی کوچ کرنے والے مسافر کا سب سے اچھا زادِ سفر ہے)

ولا خیر فی طول الحیاۃ وعیشہا ، اذا انت منہا بالتقی لم ترحل[2]

(لمبی عمر اور کثرت سامان زندگی میں کوئی بھلائی نہیں، اگر تقویٰ کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہونا نہ ہو)

مثلم بن ریاح المرّی کا شعر ہے :۔

انی مقسم ما ملکت فجاعل ، اجراً لآخرۃ ودنیا تنفع

[میری ملکیت میں جو کچھ ہے وہ سب تقسیم کرکے آخرت کا ثواب حاصل کروں گا۔ دنیا تو حقیر فائدے کی چیز ہے]

یہ تصورات عربی شاعری اور ادب میں نادر نہیں ہیں، تلاش و جستجو سے ایسے بہت سے اشعار جمع کیے جا سکتے ہیں، مگر اس کے باوجود حقیقت یہی ہے کہ عربوں کے محرکات و مقاصد کی فہرست میں خدا کی رضا جوئی، اس کی نافرمانی سے اجتناب اور آخرت کی کامیابی اور نجات کو بہت ادنیٰ مقام حاصل تھا۔ اگر یہ محرکات فی الواقع موثر ہوتے تو ریاء و نمود، ذکر و تحسین، افتخار و مفاخرت کو وہ مقام ہرگز نہیں مل سکتا تھا جو عربی زندگی اور اخلاق میں انہیں فی الواقع حاصل تھا۔

---

[1] الصبح المنیر، وانا، ۱۹۲۷، صفحہ ۱۰۳ [2] الصبح المنیر: ۲۶۹۔

[3] حماسہ ابو تمام ۱۲، ۲۸۔

عربی زبان کے مسائل
اور
مجمع اللغۃ العربیۃ کی خدمات

جناب پروفیسر محمد شاکر صاحب عینی

علمی اور ادبی اکاڈیمیاں تاریخ اور تہذیب و تمدن کی طرح قدیم ہیں لیکن "مجمع اللغۃ" یا زبان کی اکاڈیمیاں نئی ہیں۔ زبان زندہ نامی اور متحرک شئی ہے۔ زمانہ کی ضرورت علوم و فنون کی وسعت اور اظہار خیال کے اسالیب کا تقاضہ ہے کہ حیاتِ انسانی کی طرح زبان بھی بڑھتی پھلتی پھولتی رہے اور زندگی کے دوش بدوش چلتی رہے۔

زبان بڑھتے ہوئے پودے کے مانند ہے جس کی نشو و نما، افزائش و آرائش اور حسن و جمال کے لئے ضروری ہے کہ اس کی جڑوں کی حفاظت کی جائے اور اس کی غذا کا خیال رکھا جائے یہ کام زبان کی اکاڈیمیوں کا ہے اس قسم کے مرکزی ادارہ کو اہل زبان کا ذوق زبان کی نزاکت اور مزاج، علوم و فنون کا تنوع اور توسع اور زبان کو "ہم عصر" بنانے کے اہلیت جیسے عناصر پر مشتمل ہونا چاہئے۔

عربی زبان کی طویل تاریخ میں کئی الفاظ وجود میں آئے اور کئی متروک ہو کر ختم ہو گئے۔ اظہارِ خیال کے اسلوب بدلتے رہے ساتھ ہی ان کے ہم آہنگ الفاظ وجود میں آتے رہے اور قیاس اشتقاق اور تعریب سے زبان کا دامن وسیع تر ہوتا رہا۔

عربی لغت دانوں نے اپنی لغات میں ان تمام الفاظ کو جمع کیا یہاں تک کہ لہجوں کے اختلاف سے ایک ہی لفظ میں جو تغیرات ہوئے اسے بھی لغت میں شامل کر لیا گیا۔

مگر انحطاط اور جمود کے دور میں زبان کی ترقی رک گئی۔ یہ خیال عام ہو گیا کہ زبان امانت ہے اور ہمیں اس امانت کو صرف سنبھالنا ہے۔ قیاس اور اشتقاق کا حق صرف اہل زبان

کو ہے اور ان مقررہ اسالیب کے ہی تحت جن کی تعیین قدما کر چکے ہیں۔ ابن فارس کا قول تھا "یہ حق ہمارا نہیں کہ ہم کوئی نیا لفظ ایجاد کریں۔ عربوں نے جو کچھ کہا ہے اور جس طرح انھوں نے قیاس کیا ہے اس کے سوا قول و قیاس کی گنجائش نہیں"۔ ایسے خیالات اور اقوال نے بندشوں میں اضافہ کر دیا اور اس کا لازمی نتیجہ جمود تھا۔

نشاۃ جدیدہ کا دور آیا ایک طرف عربی ممالک کا یورپی ممالک سے ارتباط و اختلاط اور اس کے نتیجہ میں فکری اور ثقافتی میدانوں میں تاثر، اور دوسری طرف صحافت، ترجمہ، اور جدید علوم کی تدریس نے زبان کی کم مائیگی کے احساس کو زیادہ کر دیا۔ عربی ممالک میں جہاں تعلیم عام ہوگئی، وہاں عربوں نے متعدد تدبیریں اختیار کیں کہ اس زبان کی بے پایاں پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جا سکے۔ "مجمع اللغۃ العربیہ" کا خیال بھی ان میں سے ایک تھا۔

اوّل ترین مجمع اللغۃ ۱۸۹۷ء میں مصر میں وجود میں آیا۔ محمد توفیق البکری اس کے صدر اور محمد عبدہ اس کے سکرٹری تھے۔ اس مجمع کے سامنے سب سے اہم کام جدید الفاظ ایجادات اور تصورات کے لئے عربی میں مرادف الفاظ پیدا کرنا اور جدید الفاظ ڈھالنا تھا۔ اس کے رائج کردہ الفاظ آج بھی مستعمل ہیں۔ جیسے دراجۃ (سائیکل) البھو (سیلون)۔ سیارۃ (موٹر کار) البرق (ٹیلی گراف) البطاقۃ (کارڈ)

یہ مجمع صرف چند سالوں تک قائم رہ سکا۔ ۱۹۱۷ء میں دوسرا مجمع اللغۃ قائم ہوا مگر جلد ہی یہ مجمع ختم ہو گیا۔ ۱۹۳۲ء میں حکومت کی سرپرستی اور کوششوں سے "المجمع الملکی للغۃ العربیۃ" قائم ہوا[1]۔ یہ آج تک قائم ہے۔ اس کے سامنے چار اہم مقاصد رہے ہیں۔

۱۔ عربی زبان کی سلامتی کا تحفظ، جدید علوم و فنون کی وجہ سے نت نئے الفاظ کے تقاضوں کو پورا کرنا زبان کو زندگی کی ضرورتوں کے مناسب حال بنانا اور اس کے لئے لغتیں اور تفسیریں مرتب کرنا جس میں نئے تراشیدہ الفاظ کی شرح و تفصیل ہو۔

---

[1] ۳ دسمبر ۱۹۳۲ء کو مجمع کے قیام کا اعلان ہوا لیکن پہلا اجتماع ۱۹۳۴ء ہی میں ہو سکا۔

۲۔ "المعجم التاریخی" مرتب کرنا یعنی ایسی لغت جس میں الفاظ کی معانی کا تطور اور دور بدور تعبیرات کا فرق واضح کیا جائے۔

۳۔ مصر اور دوسرے بلاد عربیہ میں جو لہجے رائج ہیں ان کا منظم علمی مطالعہ کیا جائے۔

۴۔ وزارت تعلیم کی طرف سے وقتاً فوقتاً عربی زبان کے جو مسائل سپرد کئے جائیں ان پر بحث و تحقیق ہو۔

مجمع کا رویہ شروع سے یہ رہا کہ جن اہم مسائل کو طے کرتا ہے یا انھیں حل کرنے کی جدوجہد کرتا ہے وہ عالمی ہیں۔ عربی زبان صرف مصر یا عربی ممالک تک محدود نہیں اور اسی لئے مجمع کو اشتراکی ہونا چاہئے۔ اسی خیال کے پیش نظر مجمع کے بیس اراکین میں سے دس مصری تھے ۵ غیر مصری عرب اور پانچ غیر عرب[1]۔ رکنیت کی اہم شرط زباندانی اور زبان کی خدمت تھی۔ اس کی رکنیت دو قسم "عضو مراسل" اور "عضو عامل"۔ علمی حیثیت سے مجمع کے دو حصے ہیں: مؤتمر جس کا رکن مجمع اللغۃ کا عضو ہوتا ہے ہر سال چار ہفتوں کے لئے اس کی نشست ہوتی ہے اور مجلس جس کی رکنیت زیادہ مقامی اعضاء (عضو عامل) تک محدود ہے۔ اس کا اجتماع ہر ہفتہ ہوتا ہے۔

اپنے مقاصد کی تحقیق کے پچھلے تیس سالوں میں بڑی جدوجہد کی ہے اور یہ اس کا تذکرہ ہے جس سے مجمع کی علمی خدمات اور اس کے کارہائے نمایاں کا اندازہ ہو سکے گا۔

۱۔ عربی کو زندگی کے جدید تقاضوں کے ہم آہنگ بنانا

۲۔ علمی اور فنی اصطلاحیں وضع کرنا

۳۔ نحو و صرف اور املاء کو آسان بنانا

۴۔ عربی رسم الخط میں سہولت پیدا کرنا

۵۔ مختلف قسم کی لغتیں ترتیب دینا

---

[1] اراکین کی تعداد میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۴۰ء میں بیس اراکین تھے اور ۱۹۶۰ء میں تعداد پالیس کردی گئی۔ ان کے علاوہ "عضو مراسل" تھے۔ شام و مصر کے اتحاد کے عہد میں اراکین مجمع کی اجمالی تعداد ۴۰ کردی گئی جس میں ۲۰ مصری بیس شامی اور دس بلاد عربیہ ...

۶- بہترین ادبی تخلیقات اور قدیم مخطوطات کی تلاش اور تحقیقی مطالعہ کی ہمت افزائی کرنا۔

۷- عربی کے مختلف لہجوں کا مطالعہ کرنا۔

زبان کی تنگ دامنی کو دور کرنے کے لئے مجمع کا رویہ ابتدائے قیام سے یہ رہا کہ زبان ان لوگوں کی ملکیت ہے جو اسے بولتے، لکھتے اور پڑھتے ہیں اور اسی لئے انہیں اس میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ زبان ایک اجتماعی مظہر (SOCIAL PHENOMENA) ہے اور نشو و ارتقا اور بقائے اصلح کے قانون کے تابع ہے۔ قیاس و اشتقاق کسی زمانہ تک محدود نہیں اور اسی لئے اس کے دائرہ کو وسیع کر کے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ پچھلے کئی سالوں میں مجمع نے جو قرار دادیں منظور کی ہیں وہ ان ہی اصول کے تحت ہیں۔ مجمع نے تضمین[1] کے قیاس کو جائز قرار دیا۔ ضرورت کے تحت نحت[2] کی اجازت دی اور اسماء الاعیان سے الفاظ کا اشتقاق[3] جائز قرار دیا۔ امراض[4]

---

[1] تضمین کا مطلب ہے کہ ایک فعل دوسرے فعل کی معنی ادا کرے اور اس طرح تعدیہ (   ) کے لئے دوسرے فعل کا استعمال پہلے کے لئے جائز ہو۔ مجمع نے اسے سماعی نہیں بلکہ قیاسی قرار دیا بشرطیکہ دونوں فعلوں میں مناسبت ہو۔ ایک قرینہ موجود ہو جس سے دوسرے فعل کا اندازہ ہو سکے اور ذوقِ زبان سے خالی نہ ہو۔ مجمع نے اسے بلاغت کے اسلوب کے طور پر استعمال کی شرط کی ہے۔ مثلاً ارشادِ الٰہی ہے کہ واللہ یعلم المفسد من المصلح علم کے بعد من سے تعدیہ کیا گیا ہے اس لئے کہ علم میں میّز کے معنی کی تضمین ہے اور میّز کی تعدیہ من سے ہوتی ہے۔ تضمین کے معنی مجاز کے بھی ہوتے ہیں یعنی کسی لفظ کو خاص معنی پہنانا اور یہ وضع اصطلاحات کے لئے بہت اہم ہے۔ مثلاً ادرث (ROCKET) دوّاسۃ (Pedal) قطار (Train) جرّار (Tractor) الباخرۃ (Ship)

[2] "نحت" کی مثالیں قدیم لغت میں بہت سی ہیں۔ مجمع نے جو الفاظ نحت کئے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں: حیوائی (حی بالھواء ہوا سے زندہ رہنے والے) ہوامائی (الھوائی والمائی = ہوا اور پانی میں جینے والے) برمائی (الذی یعیش فی البر والماء تری اور خشکی میں رہنے والے، برمائیات (Amphibia)) تحمر (تحت الاحمر INFRA RED) تحلمی (تحلل بالماء پانی سے تحلیل) اور حلماۃ (HYDROLYSIS)۔

[3] قدیم لغتوں میں اس کی مثال ہے ذھب سے ذھّب (سونا چڑھانا)۔ مجمع کے اشتقاق کی مثال کہربا سے کہرب اور الکہربۃ، مغناطیس سے مغنطس اور ممغنطس۔ فرملۃ سے فرمل (بریک لگانا)

[4] امراض کے لئے فُعال کا صیغہ مقرر کیا۔ قدماء نے سُعال اور زکام اسی وزن پر استعمال کئے ہیں۔ مجمع کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ الحُماض (Acidity) الزحار (DYSENTERY) الاطام (حبس البول) حراز (Heart burn) دُواد (کیڑے پڑنا) نُفاس (اعصابی اختلال کی وجہ سے جنون)

آلات[۵] اور پیشوں[۶] کی معانی ادا کرنے کے لئے بعض مصادر مخصوص کردیئے۔ جمع تکسیر کے قیاس کو جائز کیا۔ اور اسی طرح جمع کی طرف نسبت کو جائز قرار دیا۔ بہت سے مولّدات الفاظ کا استعمال روا رکھا۔

عربی زبان میں بکثرت اجنبی اور غیر مانوس الفاظ کو داخل کرنے کے بجائے مجمع کے نزدیک زبان کے مزاج سے زیادہ مناسبت رکھنے والا اقدام یہ ہے کہ قیاس کو جائز اور عام کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ قیاس کے لئے ذوق سلیم اور سلیقہ کی شرط ہے۔ اور جن لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ اہل زبان ہیں اور زبان کے تطور اور بیان کے اسالیب سے واقف ہیں۔

علم و فن کی اپنی مخصوص زبان ہوتی ہے جو علوم و فنون کی وسعت اور ترقی کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے اس کی بنیاد اصطلاحات پر ہوتی ہے اور یہ اصطلاحات اپنے لغوی معانی سے مختلف ہوتے ہیں۔ اہل علم کو حق ہے کہ وہ جس لفظ کو مخصوص معنی ادا کرنے کے لئے زیادہ صحیح، مناسب اور آسان سمجھیں اختیار کرلیں اور اس طرح ہر زبان میں ایک علمی (SCIENTIFIC) زبان نشو و نما پاتی ہے۔ اور زبان کی صلاحیت کے مطابق علم و فن کے تقاضوں کو کم و بیش پورا کرتی ہے۔

عربی میں "یہ علمی زبان" رفتہ رفتہ بڑھتی رہی۔ چوتھی صدی ہجری میں بہت سے علوم کی اصطلاحات مقرر ہو چکی تھی، متعدد علوم و فنون عربی میں ترجمہ ہو چکے تھے اور ان اصطلاحات کی مخصوص لغتیں بھی وجود میں آگئی تھیں مفردات، تعریفات اور کشاف اور اس قسم کی کتابیں خزانۂ ادب میں اسی کی یادگار ہیں۔

عصر جدید میں سائنس کی ترقی نے اس ضرورت کو ہمہ گیر بنادیا اور اہل زبان کے لئے لازم ہوگیا کہ وہ اس سلسلہ میں فوری قدم اٹھائیں تاکہ عربی دوسری علمی زبانوں کے دوش بدوش چل سکے اور اس میں جدید علوم کی نشر و اشاعت اور تعلیم بہتر طور پر ہو سکے۔

---

[۵] آلات کے لئے مِفعَل، مِفعَلَة اور مِفعال کا صیغہ مقرر کیا۔ مثلاً مِحصَد (درانتی) مِحراث (ہل) مِکنسة (غبار صاف کرنے کا برش) مِمحاة (ربڑ) مِسطار (سطر کھینچنے کا آلہ یکتر)۔

[۶] پیشوں کی دلالت کیلئے فِعالة کا صیغہ مقرر کیا۔ جیسے نِواسة (اہلماہی) حِراثة (کھیتی باڑی) دلاکة (مالش) تِجارة (ڈھال بنانے کا پیشہ) جِبارة (ہڈی جوڑنے کا پیشہ) جِزارة (قصاب کا پیشہ)

علمی اصطلاحات کی تلاش اور تحقیق بھی مجمع کے مقاصد میں سے ایک مقصد تھا۔ وضع اصطلاح میں ضروری ہے کہ ایک معنی کی ادائیگی کے لئے ایک ہی لفظ ہو، اس لفظ سے اشتقاق ممکن ہو، اور اس کی طرف نسبت بھی آسانی سے دی جا سکے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کسی قسم کا ابہام یا الجھن نہ ہو سوقیانہ الفاظ ہوں نہ اجنبی اور نامانوس کہ ان کا استعمال عام نہ ہو سکے۔

جن علوم و فنون کے لئے اصطلاحات وضع کرنی تھیں ان میں طبیعیات، ریاضیات، موسیقی، طب، جیولوجی، کیمسٹری، حیوانیات، تاریخ، فلسفہ، ادب، قانون، اقتصادیات، سیاسیات، آرکیٹیکچر، فنون لطیفہ اور اس قسم کے متعدد سماجی اور طبیعیاتی علوم و فنون شامل تھے۔

ابتدا میں مجمع کو اس بات کا تردد تھا کہ (۱) نئی اصطلاحیں بنائی جائیں یا (۲) جو رفتہ رفتہ رائج ہو چلی ہیں انھیں جمع کر لیا جائے؟ (۳) قدیم اصطلاحات کو جدید مفاہیم اور معانی کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی جائے یا (۴) لاطینی اور دوسرے یورپی زبانوں کی اصطلاحات کو بعینہٖ عربی میں شامل کر لیا جائے؟ یہ تردد قدرتی تھا اور مجمع کی کوششوں میں اس کی جھلک نظر آتی ہے لیکن پچھلے چند سالوں میں مجمع کا طریق کار زیادہ واضح اور معین ہو چکا ہے۔ مجمع کی رائے ہے کہ:

۱۔ علماء اور ارباب فن نے جو اصطلاحیں اپنے طور پر وضع کی ہیں اسے جمع کر لیا جائے۔ مختلف ارباب فن مجمع کے اراکین ہیں اور وضع اصطلاحات کے لئے متعدد مخصوص کمیٹیوں کے ممبر ہیں۔

۲۔ بعض اصطلاحات کے لئے عامی زبان میں جو الفاظ رائج ہیں وہ فصاحت سے دور نہیں بلکہ بعض تو عربی الاصل ہیں گرچہ ان کے استعمال بدل چکے ہیں۔

۳۔ جہاں ضرورت ہو تعریب سے بھی استفادہ کیا جائے۔

۴۔ اصطلاحات مقبول عام ہوں اور تمام بلاد عربیہ میں رائج ہو :. اس لئے ضروری ہے کہ بلاد عربیہ کا تعاون حاصل کیا جائے۔

ان اصولوں کے مطابق مجمع نے کئی اصطلاحات مقرر کیں مختلف علوم و فنون پر مشتمل تقریباً بیس علحدہ علحدہ کمیٹیاں بنائی گئیں جو بحث و تحقیق کے بعد اصطلاحات وضع کرتی ہیں۔ ہر سال ایک

مرتبہ مؤتمر کا اجلاس ہوتا ہے جس میں یہ اصطلاحات پیش کی جاتی ہیں اور مؤتمر کی منظوری کے بعد انھیں مجمع کے مجلہ میں شائع کیا جاتا ہے تاکہ بلاد عربیہ میں جو علمی اور فنی ادارے ہیں یا جنھیں ان علوم و فنون کی تدریس سے واسطہ پڑتا ہے ان تک یہ اصطلاحات پہنچ سکیں اور ان کی رائے سے استفادہ کیا جا سکے۔ عربی زبان و ادب سے شغف رکھنے والوں کی تجویزیں اور تنقیدیں جمع کی جاتی ہیں تاکہ دوسرے سال مؤتمر میں ان پر بحث ہو۔ حسب ضرورت مؤتمر ان کو مخصوص کمیٹیوں کی طرف مزید تنقیح تحقیق کے لئے تحویل کر دیتی ہے۔ اور اس طرح ان میں مزید اصلاح کی جاتی ہے۔

وضع اصطلاحات کے سلسلہ میں مجمع کا طریق کار زیادہ تر تجدید، رواداری اور بے تعصبی پر مبنی رہا ہے تاکہ وقت کی یہ سب سے اہم ضرورت آسانی اور تیزی سے پوری کی جا سکے اور عوام اور ارباب علم و فن کی نظروں میں قبولیت حاصل کر سکے۔ مثلاً۔

۱۔ اسماء الاعیان (چیزوں کے ناموں) سے اشتقاق کو جائز قرار دیا اور اس عام قاعدہ کو ترک کر دیا کہ اسم جامد سے اشتقاق نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مثالیں آگے گزر چکی ہیں۔

۲۔ "ی" اور "ۃ" کی طرف نسبت عام کر کے اسے مطرد قیاس قرار دیا۔ اور اس سے بہت سی اصطلاحات میں مدد لی گئی۔ قدر سے قدریہ اور جبر سے جبریہ کی مثالیں سابق لغات میں ہیں۔
اسی قیاس پر مثالیۃ (IDEALISM) مادیۃ اسیریالیۃ (SUR-REALISIM) کلاسیکیۃ (CLASSICISIM) المئویۃ (PERCENTAGE) انطوائیۃ (PLIABILITY SELF CENTERED) وغیرہ الفاظ وضع کئے گئے۔
بہت سے علمی اور فلسفیانہ حقائق، نظریات اور ازموں (isms) کو ادا کرنے کے لئے اس "مصدر صناعی" پر قیاس بہت مفید ثابت ہوا۔[1]

۳۔ "تعریب" کی عام اجازت دی۔ چاہے معرب الفاظ عربی کے اوزان اور قیاسات

---

[1] یائے نسبتی اور ۃ کی اضافت سے جو مصدر بنایا جاتا ہے اسے مصدر صناعی کہتے ہیں۔ اس اضافہ سے صفت سے اسم کے معنی مستفاد ہوتی ہے

پر ہوں یا اس کے برعکس۔ بہت سے معرب الفاظ کو مجمع نے بجنسہ قبول کر لیا۔ جیسے الواط (WATT) ادم (OMS) میکروفون (MICROPHONE) البنط (POINT) البتریین (BENZINE) بندول (PENDOLUM) الہراطقۃ (HERETICS) بکتیر (BACTERIA) البلاتین (PLATINUM) امیبۃ (AMOEBA) المتر (METERE)

۴۔ امراض آلات، اہتزاز و تقلب، پیشے اور کثرۃ تعلق کے لئے بعض مخصوص مصادر استعمال کئے۔ اور بہت سے الفاظ اس قرارداد کے مطابق وضع کئے لیکن ان مخصوص صیغوں کا استعمال منظم نہیں رہا بلکہ خود مجمع نے اس کے خلاف بھی عمل کیا۔

۵۔ نسبت کے لئے ان ہی کا استعمال جائز قرار دیا جیسے نفسانی، مسمارانی (CUNIFORM) شمانی (CIPOID) KE لاحقہ OID اور FORM کے لاحقہ والے انگریزی الفاظ کی تعریب میں نسبت مفید ہے۔

۶۔ لاثانیہ پر الف لام (ال) کا استعمال جائز قرار دیا۔ جیسے اللاہوائی اللاسواریۃ، اللامائی اللامتساوی۔

۷۔ معرب الفاظ لکھنے کے اصول بھی مجمع نے متعین کئے[1] اور جن آوازوں کے لئے عربی علامتیں نہیں ہیں ان کے لئے علامتیں مقرر کیں۔[1]

ہماری اجتماعی اور معاشرتی زندگی تیزی سے بدلتی جا رہی ہے۔ مدنی اور سیاسی نظام بھی وہ نہیں جو پہلے تھا۔ نئی نئی اختراعات اور ایجادات وجود میں آ رہی ہیں۔ گھر اور گھر کے اسباب

---

[1] معرب الفاظ لکھنے کے لئے مجمع نے طے کیا کہ (۱) اجنبی الفاظ انگریزی و فرنسیسی و دیگر زبانوں میں علیحدہ علیحدہ تلفظات سے بولے جاتے ہیں ان میں سے جو تلفظ زیادہ سہل ہو اسے اختیار کیا جائے مثلاً MICRON اور (FABRIC) کا تلفظ انگریزی اور فرنسیسی میں علیحدہ ہے اور سہل تلفظ فرنسیسی کا قرار دیا گیا اس لئے اسے اختیار کیا میکرون، فابریقۃ۔ (۲) بہت کی یورپی زبانوں میں ایسے الفاظ ہیں جو عربی سے لئے گئے ہیں ان الفاظ کو عربی میں استعمال کرتے ہوئے بجائے اجنبی تلفظ سے لکھنے کے اصل عربی استعمال کیا جائے۔ مثلاً ALHAMBRA کو الحمراء اور ALCAZAR کو القصر CRETE کو اقریطش (۳) معرب الفاظ کی تحریر میں ایسی آوازیں ہوں جن کے لئے عربی میں علامتیں نہیں اس کے لئے مجمع نے چند قرار دادیں اختیار کیں اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اور سامان پر نظر ڈالیں تو کئی ایسی چیزیں نظر آئیں گی جن کا پہلے وجود نہ تھا۔ تعلیم کا نظام بدل چکا ہے زندگی کے مظاہر وہ نہیں جو عربی کے نشوونما کے ابتدائی زمانہ میں تھے۔ ان خارجی ہمہ گیر تغیرات کا تقاضا ہے کہ تمدنی امور کی تعبیر اور روزمرہ کے استعمال کے لئے نئے الفاظ اور نئی تعبیریں وجود میں آتی جائیں ان ہی کو تمدنی الفاظ یا "الفاظ الحضارۃ" سے یاد کیا جاتا ہے۔

وضع اصطلاحات کے سلسلہ میں ان تمدنی الفاظ کو بھی ضروری ہے جو زبان کا اہم پہلو ہیں اہل صنعت و حرفت کے اپنے مخصوص الفاظ ہیں۔ تجارت و زراعت پیشہ لوگوں کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں۔ آرائش و آسائش کے الفاظ بھی تمدنی الفاظ کے اجزاء ہیں۔ مگر ان میں اور اصطلاح میں فرق یہ ہے کہ اصطلاحات کے معانی معیّن، محدود واضح ہوتے ہیں۔ اور خاص لوگوں ہی کے استعمال میں یہ آتی ہیں۔ برخلاف اس کے تمدنی الفاظ روزمرہ کے استعمال کے لئے ہیں اور ہر تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ، ماہرین اور عوام ہر طبقہ میں مروّج ہیں ہر ملک بلکہ ملک کے مختلف علاقوں اور حصوں کے ساتھ ساتھ تمدنی الفاظ بدلتے جاتے ہیں۔ جو الفاظ روزمرہ میں مقبول نہیں ہوتے وہ سکہ رائج الوقت نہیں قرار پاتے۔ ان کے ردو قبول کا فیصلہ قبولیت عامہ کے ہاتھوں میں ہے۔

مجمع نے بہت سے تمدنی الفاظ وضع کئے ہیں جن کی تعداد کئی ہزار ہے اور ان میں سے بڑی تعداد مقبول عام ہو چکی ہیں۔ پچھلے تیس سالوں میں مجمع نے تقریباً تیس ہزار سے زیادہ اصطلاحات اور تمدنی الفاظ وضع کئے ہیں جنھیں وہ اپنے سالانہ مجلہ اور مختلف معاجم اور مخصوص کتابوں میں شائع کر چکا ہے اور بہت سے الفاظ اور اصطلاحات ابھی شائع نہیں ہو سکے ہیں۔ اکثر عربی ممالک میں وضع اصطلاحات کی ضرورت کا احساس ہے۔ اور اس سلسلہ میں کوششیں جاری ہیں مگر مصر نے جو جدوجہد کی ہے وہ سب سے زیادہ اہم ہے اور دوسرے عربی ممالک کے مجمع نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

تمدنی الفاظ کے سلسلہ میں یہ رجحان قابل غور ہے کہ معرب یا اُعجمی الفاظ کے مقابلہ میں